مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی
مفتی جامعہ مظاہر علوم (وقف)
سہارنپور

آہ! طبیب اعلیٰ دارالعلوم دیوبند

حضرت استاذی الحاج مولانا حکیم محمد عمر صاحب دیوبندی سابق طبیب اعلیٰ و پرنسپل جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند جب دارالعلوم کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور ان کی خدمت میں دفتر اہتمام دارالعلوم کی جانب سے تشکر و امتنان سے لبریز سبکدوشی نامہ پہنچا تو اتفاق سے احقر اس وقت حکیم صاحب ہی کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہوں نے غم اور خوشی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ آبدیدہ ہو کر یہ سبکدوشی نامہ احقر کو پڑھنے کے لئے دیا تھا اور بصمیم قلب شکر الٰہی بجالاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "حق تعالیٰ شانہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس ناکارہ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی مکمل چھیاسٹھ سال خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، احقر کا تقرر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بالکل ابتدائی دور اہتمام میں ہوا تھا پھر ان کے اہتمام کا پورا دور گذرا اور اب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری کے زمانۂ اہتمام میں سبکدوشی ہوئی موجودہ مہتمم احقر کے طب میں شاگرد بھی ہیں" مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری کے علاوہ حکیم صاحب کے تلامذہ میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی، مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی کلکتہ، مولانا نصیر احمد خان صاحب دیوبند، مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی، حکیم انیس احمد صاحب دیوبندی، حکیم عبدالقدوس صاحب دیوبندی، حکیم جلیل احمد سہارنپور، حکیم سعود احمد اجمیری بمبئی اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب لوہاروی کراچی کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہاں حکیم صاحب کے تلامذہ کی فہرست بتانا مقصود نہیں ہے محض "التلمیذ نسخة استاذه" کے پیش نظر ان کے چند مخصوص و منتخب فیض یافتہ حضرات کے ناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے چھیاسٹھ سال کے طویل عرصہ میں نہ جانے کتنے افاضل وقت اور علمائے روزگار نے ان سے کسب فیض کیا ہوگا۔ احقر

راقم السطوران کا امور طبیعیہ میں غالباً آخری مستفیض ہے۔ حکیم صاحب کو عربی کتابوں سے فن طب بالخصوص اس کے کلیات اور کلیات میں بھی امور طبیعیہ پڑھانے میں جو مہارت حاصل تھی وہ غیر منقسم ہندوستان میں مسلم تھی۔ غالباً ابو سہل مسیحی کا قول ہے: ''من کان اعلم بالامور الطبیعیة لکان افضل فی الطب''۔ حکیم صاحب کو طب کی عربی کتابوں کے فلسفیانہ مباحث اور منطقی طرز استدلال میں تبحر کے ساتھ تصوف وسلوک سے بھی علمی وعملی مناسبت درجۂ کمال کی حاصل تھی۔ موصوف کی اس خصوصیت کا اندازہ ان کے مرتب کردہ طب کے امتحان کے اس پرچۂ سوالات سے جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ماہ فروری ۱۹۶۸ء میں مع جوابات کے شائع ہوا ہے، بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ نے جو حضرت مولانا تھانوی کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، مذکورہ بالا پرچۂ سوالات ملاحظہ فرما کر حکیم صاحب کے بارے میں اعتراف وتحسین کے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے ''حکیم صاحب ماشاء اللہ باکمال آدمی ہیں یہ محض فن طب کے پرچہ جات سوالات معلوم نہیں ہوتے بلکہ ان میں تصوف بھی بدرجۂ اتم موجود ہے جب میں دارالعلوم میں پڑھتا تھا حکیم صاحب اس زمانہ میں وہاں پڑھاتے تھے اور وہ اس وقت بھی طب کے قابل استاذ مانے جاتے تھے حالانکہ یہ ان کی تدریس کا ابتدائی دور تھا میرے چھوٹے بھائی مولوی سمیع اللہ خاں تو حکیم صاحب سے طب میں تلمذ بھی رکھتے ہیں انہوں نے نفیسی حکیم صاحب ہی سے پڑھی ہے''۔

ہمارے حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نعمتوں سے نوازا تھا جن میں ان کی طویل العمری بھی اللہ تعالی کی ایک خاص نعمت تھی کہ تقریباً سو سال کی عمر پائی، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے محض اپنے فضل وکرم سے مشائخ وقت کی زیارت اور دیدار کا موقع عنایت فرمایا چنانچہ دوران تعلیم تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی زیارت وصحبت نصیب ہوئی اس کے بعد سہارنپور میں مولانا عنایت الٰہی صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور حضرت مولانا ثابت علی صاحب پور قاضوی کا اور پھر دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی حضرت مولانا حکیم محمد حسن صاحب دیوبندی اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کا شرف دیدار حاصل ہوا۔

ہمارے حکیم صاحب نے بیعت وارادت کا تعلق، مصلح الامت، غریق رحمت، حضرت

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب" خلیفۂ برحق حضرت مولانا تھانوی سے استوار فرمایا اور نہایت یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اصلاحی تعلق برقرار رکھا جس کے نتیجے میں حضرت کی جانب سے مجاز بیعت قرار پائے مگر حکیم صاحب نے کبھی کسی سے اس اجازت کا ذکر از خود نہیں فرمایا حد یہ کہ جس وقت حضرت کے مجازین کی فہرست خانقاہ وصی اللّٰہی الہ آباد میں مرتب کی جارہی تھی اس وقت بھی حکیم صاحب نے اپنے اجازت نامہ کی نقل اشاعت کے لئے نہیں بھیجی ایک روز اتفاق سے احقر کی نظر حکیم صاحب کے پرانے کاغذات دیکھتے ہوئے ایک ملفوف پر پڑی جس کی تحریر جانی پہچانی اور مانوس معلوم ہوئی حکیم صاحب سے اپنی اس کیفیت کا اظہار بے تکلف کردیا۔ حکیم صاحب نے نہایت دلگیر اور تاثر کے لہجہ میں فرمایا کہ یہ ہمارے حضرت والا کی عنایت ہے حضرت کا حسن ظن تھا کہ اس ناکارہ کو نوازا، ورنہ من آنم کہ من دانم اجازت نامہ کی تحریر حضرت الحاج شاہ قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم کے قلم سے ہے اور آخر میں حضرت کے دست مبارک سے دستخط ہیں اس میں بطور خاص ایک جملہ تعلیم وتلقین کی ہدایت کے ساتھ یہ تحریر ہے کہ "میں آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت اس لئے نہیں دے رہا ہوں کہ آپ میرے معالج ہیں بلکہ آپ میں اس کی صلاحیت واہلیت محسوس کرنے کے بعد لکھ رہا ہوں" سچ کہا گیا ہے "آمدن بارادت رفتن باجازت" یعنی جو ارادت کے ساتھ شیخ کی خدمت میں آتا ہے وہ مجاز ہوکر جاتا ہے اس پر ایک نکتہ بھی سن لیجئے، احقر نے والد محترم مولانا عبدالقدوس صاحب رومی کو یہ مقولہ حضرت مولانا تھانوی کی اصلاح کے ساتھ سنایا کہ "آمدن باجازت رفتن بارادت" ہونا چاہئے۔ یہ سن کر والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانوی کی اصلاح آداب معاشرت کے لحاظ سے تو بالکل صحیح ودرست ہے لیکن اصل مقولہ یہ کسی صوفی کا معلوم ہوتا ہے کہ ارادت جب صدق وخلوص کے ساتھ ہو تو شیخ کی طرف سے اجازت ملتی ہے یہ مقولہ خالص صوفیانہ اصطلاح میں ہے حضرت تھانوی نے اجازت وارادت کو عرفی اصطلاح میں لیا ہے۔
بہرحال ہمارے حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تواضع اور انکساری کا ایک خاص مقام عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اخفاء حال ہی کو اختیار فرمایا۔

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

پر اپنا عمل رکھا حتی کہ حکیم صاحب کے خاص اور قریبی اعزہ کو بھی ان کے مجاز اور خلیفہ ہونے کا علم نہیں

تھا۔ جب ان کو بعد میں اس کا علم ہوا تو وہ سن کر تعجب اور حیرت میں رہ گئے، میرے خیال میں اس تعجب اور حیرت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ آج کل بالعموم دیکھا جارہا ہے کہ لوگوں میں بیعت ہونے سے اصلاح عمل کا شوق و ذوق کم اور حصول خلافت کا منشاء و مقصد زیادہ ہو گیا ہے اور بقول حضرت مصلح الامت "بعض مریدین اس کے لئے منہ پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں کہ جہاں میں نے ان سے کچھ کام کرنے کے لئے کہا جس سے مرادان کے اصلاح حال کی طرف توجہ دلانا ہوتی ہے تو وہ اس سے اجازت وخلافت دیا جانا سمجھ لیتے ہیں" حضرت مولانا تھانویؒ کے اصلاحی مکاتیب میں دیکھا تھا کہ کسی صاحب نے حضرت کو لکھا کہ "بہشتی زیور" سے لوگوں کو مسئلے مسائل بتادیا کرتا ہوں اور دوا وعلاج کے لئے اس کے نویں حصے سے نسخے اور تعویذ بھی دیدیتا ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ رجوع عام بہت ہے۔ بعض لوگ بیعت کرنے کے لئے بھی کہتے ہیں مگر مجھے کسی بزرگ سے اجازت حاصل نہیں ہے اگر حضرت والا اجازت دے دیں تو یہ خدمت بھی انجام دیا کروں حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "آپ نے خط میں اپنی جن صفات اور کمالات کا ذکر کیا ہے ان میں عقل کا تذکرہ نہیں کیا ہے کہ وہ بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے یہاں تدین وتقوی کے ساتھ عقل وفہم بھی لازم وضروری ہے اس کے بعد ہی اجازت وخلافت کی بات ہوتی ہے" اسی طرح ایک دوسرے صاحب نے جو غالباً حضرت سے بیعت کا تعلق بھی رکھتے تھے، حضرت کی خدمت میں لکھا کہ "مجھے حضرت سے تعلق رکھے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں بزرگ ہو گیا ہوں یا نہیں؟ حضرت نے ان کو جواب میں تحریر فرمایا کہ "مجھ سے اتنا عرصہ تعلق رکھنے کے بعد آپ انسان بھی ہو گئے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ باوجود کوشش کے اگر آپ بزرگ نہ بن سکے تو اس سے صرف آپ کے نفس کو تکلیف ہوگی اور اگر آدمی نہ ہو سکے تو اس سے سب کو تکلیف ہوگی" ظاہر ہے فکر انسانیت کی ہونی چاہئے نہ کہ بزرگی کی حرص۔ اسی حرص بزرگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے حکیم صاحب یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وہیں دست و گریباں پاؤ گے اللہ والوں کو
جہاں ذکر خدا زاید ہے اور خوف خدا کم ہے

اور اپنے مخصوص طرز میں یوں فرمایا کرتے تھے۔

مولوی گشتی نہ گشتی آدمی
آدمی شو آدمی شو آدمی

ہمارے حکیم صاحب کو حضرت مصلح الامت کا پڑھایا ہوا یہ سبق خوب یاد تھا کہ اصلاح نفس اور فکر آخرت میں انہماک اتنا اور ایسا ہو کہ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہ ملے چنانچہ وہ ہمیشہ اس کا استحضار ہمت کے ساتھ رکھتے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موقع کے لحاظ سے حضرت مصلح الامت کی اصلاحی تعلیمات جو احقر کے جد امجد اور حضرت کے معتمد خاص حضرت مولانا محمد سراج الحق صاحب مچھلی شہریؒ کی ضبط فرمودہ ہیں اس کا خلاصہ بھی ذیل میں نقل کر دیا جائے۔

''محققین صوفیا کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ طریق وسلوک وتصوف میں اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک کرنا بنیادی پتھر ہے اور یہ تزکیۂ نفس اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب صوفی و سالک کچھ عرصہ تک ہمت کر کے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ (لیکن محض اپنی ذاتی تجویز سے نہیں بلکہ مرشد کامل سے تحقیق کے بعد) یہ مخالفت نفس، مجاہدہ، ریاضت اور جہاد اکبر کہلاتی ہے۔ اذکار و نوافل یا دعا و تلاوت سے بلکہ فرائض سے بھی نفس درست نہیں ہوتا کیونکہ ازالۂ رذائل میں ان چیزوں کا درجہ اصالت کا نہیں اعانت کا ہے۔ اذکار و نوافل میں جو فوائد وثمرات حق تعالیٰ نے رکھے ہیں وہ ذاکر و عابد کو علیٰحدہ ملیں گے لیکن ذاکر و عابد کا نفس بغیر مستقل مجاہدہ و ریاضت کے سنور جائے یہ عادت الٰہیہ نہیں ہے (اگرچہ قدرت الٰہیہ ہے) یہی وجہ ہے کہ آپ نے اکثر محض عابدوں کو عبادت گذار بھی اور رذائل نفس میں مبتلا بھی دیکھا ہوگا۔ یوں تو برے اخلاق جن سے بچنا چاہئے اور اچھے اخلاق جو ہر مسلمان میں رچنا چاہئے بہت ہیں مگر حضرت شیخ العلماء، جنید وقت، مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ رذائل میں خاص طور پر غضب ونفاق اور اتباع ہوی کے ترک پر اور فضائل میں اخلاص، حسن خلق، محبت اور ذکر اللہ کے حصول پر نیز صحبۃ الصلحاء اور اطاعۃ الشیخ کے لزوم پر بہت زور دیتے تھے اور اپنے متوسلین وسالکین کی تربیت میں اپنی تعلیمات اصلاحی کو ان سات امور میں (کہ اس کے بغیر تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوتا) مرکوز فرماتے تھے''۔

مذکورہ بالا امور کی تفصیل ''احزاب تہذیب النفوس'' کے زیر عنوان ''مناجات مقبول سراجی'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت مصلح الامت کی ان اصلاحی تعلیمات کا حاصل ومقصد صرف ایک ہی چیز تھی اور وہ تھی اصلاح ذات اور فکر آخرت کی دھن کہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اسی کا دھیان رہے۔

حکیم صاحب کو اردو وفارسی کے اشعار بھی خوب یاد تھے اور بڑی خوبی یہ تھی کہ موقع کی مناسبت سے بے ساختہ اشعار پڑھتے تھے چنانچہ درس کے دوران اگر کوئی طالب علم قبل از وقت

سوال کرتا اور سبق میں وہ بات آنے والی ہوتی تو حکیم صاحب قدرے سکوت کے بعد یوں گویا ہوتے۔

کہے ایک سن لے جب انسان دو
کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

شاگرد یہ سن کر شرمندہ ہونے کے ساتھ محظوظ بھی ہو جاتا۔ اسی طرح جب ان کے آخری زمانۂ حیات میں احقر عیادت کے لئے حاضر ہوا تو فوراً پہچان نہ سکے، پہچاننے کے بعد معذرت کے ساتھ فرمایا کہ ضعف بصر کا عارضہ ہو گیا ہے، حافظہ بھی کمزور ہو چلا اور ذہن بھی متاثر ہونے لگا اور کچھ توقف کے بعد یہ شعر پڑھا۔

جاتا رہا وہ ذوق بھرا تھا جو قلب میں
غائب ہوا وہ ذہن جو حاضر دماغ تھا

احقر یہ سن کر متاثر ہوا۔ آہ! یہ آخری ملاقات و زیارت تھی۔ دیر تک دعائیں دیتے رہے اور اپنے حسن خاتمہ کے لئے دعا کی فرمائش جس لب و لہجہ میں کی اس سے آج بھی دل و دماغ پر ایک تاثر ہوتا ہے۔ طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ

سنے کون ہائے صدائے دل ملے کس سے آہ شفائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے